ملتان کے اردو شعر و ادب میں مقامی تہذیب و ثقافت کی پیش کش

Presentation of Local Civilization and Culture in Urdu Poetry and Literature of Multan

ڈاکٹر فرزانہ کوکب[i]

Abstract:

Culture is called "soul" for the development of any society. Multan is not only a five thousand year old Indus Valley, but also one of the oldest cities in the world. Multan has always been a centre of knowledge and literature along with civilization and culture. Poems of Multan writers. And in the literature, the effects of local civilization and culture shine brightly and spread their colours.

Keywords: *Culture, Civilization, Indus Valley, Multan, Oldest, Center, Poetry, Literature, Effects.*

کسی بھی معاشرہ میں ثقافت ایک بنیادی اکائی اور اس معاشرہ کی ترقی کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ ثقافت ایک ایسی اکائی ہے جس سے انسانی تہذیب رہن سہن' بول چال' رسم و رواج جنم لیتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کیلئے ثقافت کو "روح" کہا جاتا ہے۔ ملتان اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثہ کے اعتبار سے نہ صرف پانچ ہزار سالہ قدیم وادئ سندھ بلکہ دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ ملتان تہذیب و ثقافت کے ساتھ ہمیشہ سے علم و ادب کا مرکز بھی رہا ہے۔ ملتان کے ادباء کے شعر و ادب میں مقامی تہذیب و ثقافت کے اثرات بھرپور طریقہ سے جلوہ گر ہوکر اپنے رنگ بکھیرتے ہیں۔ شعر و ادب میں ملتان کی تہذیب و ثقافت اپنی تماتر معنی خیزیت ، تاریخی اہمیت اور اثر پزیری کے ساتھ منعکس ہوتی ہے۔

کلیدی الفاظ: ثقافت ، تہذیب ، ادب ، وادئ سندھ ، ملتان ، قدیم ترین ، مرکز ، شعر و ادب ، اثرات۔

ثقافت ایک ایسی اکائی ہے جس سے انسانی تہذیب، رہن سہن، بول چال اور رسم و رواج جنم لیتے ہیں۔ کسی بھی معاشرہ کی ترقی کے لیے ثقافت کو "روح" کہا جاتا ہے۔

اردو زبان میں کلچر اور تہذیب کے معنی کو گڈمڈ کر دیا گیا۔ ہے۔ کلچر کے لیے شروع میں تہذیب کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ کلچر اور تہذیب کے فرق کو واضح کیا گیا۔

> "تہذیب ایک بڑا یونٹ ہے اور اس کے اندر کئی کلچر سما جاتے ہیں۔ اس صورت میں تہذیب اور کلچر آپس میں مل جاتے ہیں۔"[۱]

انیسویں صدی کے بعد کلچر اور سولائزیشن میں فرق کیا گیا۔ جرمنی کے مثالیت پرستوں اور امریکہ کے ماہرین سماجیات نے اس میں فرق کیا۔ اس طرح سولائزیشن کا تعلق زندگی کے اداروں، قدروں اور طریقوں کے خارجی پہلوؤں سے قرار پایا اور کلچر کا داخلی پہلوؤں سے۔ یعنی سولائزیشن معاشرتی زندگی کے ظاہری رکھ رکھاؤ اور کلچر اس رکھ رکھاؤ کے پس پردہ کارفرما اعلیٰ اخلاقی اقدار کا نام ہے۔

[i] ایسوسی ایٹ پروفیسر ، شعبہ اُردو ، بہاءُ الدین زکریا یونی ورسٹی ، ملتان (Corresponding Author)

"تہذیب کے صرف خارجی مظاہر ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کا ایک دل و دماغ بھی ہوتا ہے یعنی ایک فکر یا فلسفہ زندگی جس کے بغیر تہذیب محض ایک ڈھانچارہ جاتی ہے۔"[۲]

ثقافت ایک اصطلاح ہے جسے کسی رویے کے اظہار کی نشاندہی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس طرح ہم سوچتے ہیں، برتاؤ کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ ثقافت مذہب، فن، رقص، ادب، رسوم و رواج میں جھلکتی ہے۔ اندرونی تطہیر کی اعلیٰ سطح ہے۔ اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ تہذیب کے بغیر نہ ثقافت پروان چڑھ سکتی ہے اور نہ ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ ثقافت وہ طریقہ ہے جس میں لوگوں کی زندگی کی عکاسی ان کی زبان میں ہوتی ہے۔

بابل، نینوا اور موئن جوداڑو کا ہم عصر ملتان اپنے تہذیبی اور ثقافتی ورثے کے لحاظ سے دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے جو تقریبا" پانچ ہزار سال سے مسلسل آباد ہے۔ وادئ سندھ کا مرکز رہا ہے اور وادئ سندھ دنیا کی قدیم ترین تہذیب شمار ہوتی ہے۔ ملتان ہمیشہ علم وادب اور تہذیب و ثقافت کا مرکز رہا ہے۔ ملتان کی تہذیب و ثقافت اتنی ہی قدیم و عظیم ہے جتنی کہ انسانی تاریخ۔ سنُسکرت کی گرامر یہاں لکھی گئی۔ رگ وید کا زیادہ حصہ یہیں لکھا گیا۔ عبدالرحمٰن کی "سندیس راسک" سنُسکرت شاعری کا شاہکار ہے۔ اس کا ترجمہ بھی یہیں کیا گیا:

"ہم محمد بن قاسم کی فتوحات پڑھیں یا ابنِ بطوطہ کا سفر نامہ، چینی سیاح اور مورخ ہیون سانگ کے واقعاتِ سفر پڑھیں یا سکندرِ اعظم کے حملے کے واقعات، مہاراجہ بکرماجیت کے عہد کی تاریخ پڑھیں یا چندر گپت اور سمندر گپت موریہ کے حالات، ہم تزکِ تیموری پڑھیں یا تزکِ بابری۔ ہمیں ان تمام مختلف الاقامت اور مختلف النوع تواریخ میں اگر مشترک ملتی ہے تو صرف ایک بات، اور وہ ہے ملتان اور اس کے تہذیبی اور ثقافتی حالات وواقعات۔"[۳]

در حقیقت مقامی ثقافت کے اثرات ہر ادیب کا اٹوٹ حصہ ہوتے ہیں کیوں کہ ادیب معاشرے کا حساس، دردمند اور دوربین فرد ہوتا ہے۔ ادیب و شاعر کا بچپن جس علاقے میں بسر ہوتا ہے اور وہ زندگی بھر جس علاقے میں رہتا بستا ہے وہاں کی زبان اور تہذیب و ثقافت کے اثرات اس کے لاشعور میں اس طرح

مرتسم ہو جاتے ہیں کہ اس کی تخلیقات میں کہیں نہ کہیں ان کی جھلک نمایاں ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ادب میں مقامیت اور تہذیبی و ثقافتی اثرات کا وجود ایک ایسا وصف ہے جو اپنے تخلیق کار کے، کسی مخصوص ثقافت سے وابستہ ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

یہاں ایک دو باتیں ضرور قابلِ غور ہیں کہ کیا کوئی بھی تخلیق کار محض اس بنا پر تہذیب و ثقافت کو پیش کرتا ہے کہ وہ تصنیف اس مخصوص Locale کے پسِ منظر میں پیش کی جا رہی ہے؟

کیا مقامی تہذیب و ثقافت کی پیش کش کا سبب اس تخلیق کار کا اپنی تہذیب و ثقافت سے لگاؤ اور محبت ہے؟۔ اور وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہ رہا ہے۔ یا اس تخلیق کا موضوع اس تہذیب و ثقافت کو پیش کرنے کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> "میتھیو آرنلڈ کہتا ہے کہ کلچر کی مثال ایسی ہے جیسے شہد کی مکھیوں کا چھتہ ہو اس میں شہد بھی ہوتا ہے اور موم بھی شہد میں شیرینی بھی ہے اور غذا بھی، دوا اور شفا بھی۔ چھتے میں جو موم ہوتا ہے اس سے منیر و مستنیز شمع بنتی ہے انسان کو نور علم اور شیرینی کردار دونوں کے لیے ضرورت ہے کلچر کا لب لباب یہی دو عناصر ہیں۔"[۴]

اگر کوئی تخلیق کار کسی مقامی ثقافت کے روشن اور تاریک پہلو پوری غیر جانبداری سے عیاں کرتا ہے تو اس کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس تہذیب و ثقافت کے قبیح اور مکروہ عناصر کی نشاندہی کر کے ان کی بیخ کنی کے لیے لوگوں کو ترغیب دی جائے۔

اور سب سے اہم یہ کہ مقامی ثقافت کے شاخ دار درخت کی جڑیں اس خطہ یا علاقہ کی زمین کی مٹی میں پیوست ہوتی ہیں۔ اپنی ثقافت سے محبت اور اس کا اظہار دراصل اپنی زمین سے جڑت کا ایک اطمینان بخش احساس ہے۔ ملتان کی پہچان چار چیزیں "گرد، گرما، گدا اور گورستان" درحقیقت یہ ملتان کی ثقافت، تہذیب اور تمدن کے بنیادی عناصر ہیں۔ یہ چاروں مل کر ایک ایسے سورج کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جس سے ملتان کی تہذیب و ثقافت کی تمام کرنیں پھوٹتی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کے مطابق:

”ملتان کا تن اور من اجلا ہے۔ ملتان کا تن اس کی ثقافت ہے اور اتفاق یہ ہے کہ بلکہ یہاں کے بزرگانِ دین اور اہلِ علم کی کرامت ہے کہ یہ لباسِ ثقافت ہمیشہ نوع بہ نوع رہتا ہے جبکہ ملتان کا اُجلا من یہاں کی روحانیت ہے، اخلاق ہے، خلوص ہے جو ہمیشہ اُجلا رہتا ہے جیسے وہ کوثر کی موج ہو یا جیسے آفتابِ سحر کی پاکیزہ کرن۔“[۵]

ملتان کے اردو ادب میں ملتان کی تہذیب و ثقافت اپنی تماتر معنی خیزیت، تاریخی اہمیت اور اثر پذیری کے ساتھ منعکس ہوتی ہے ناول "ٹوٹی طناب ادھر" کو پڑھتے ہوئے بہت سے مقامات پر ملتان کے ثقافتی اور تہذیبی خدوخال نظروں میں گھومنا شروع کر دیتے ہیں۔ ناول کی کہانی قدیم گھرانوں، خانقاہوں، جاگیرداروں، اہلِ حکم اور اہلِ حرم کی زندگی اور شہری روایات وثقافت کے بہت سے پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ ملتان کے گلی کوچے، بازار، خانقاہیں، بالاخانے، موسم، مناظر، اپنی تمام ترجولانیوں اور تہذیبی و ثقافتی اقدار اور رویوں کے ساتھ جلوہ نما ہوتے ہیں۔ مقامی الفاظ کا استعمال ہے جو اس تہذیب کی مٹی کی بو باس لیے ہوئے ہیں۔[۶]

ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"He has not mentioned the name of the city, but the events, characters and their depiction point towards Multan, the birthplace of author."[7]

افسانہ "دریچوں سے نیلے گگن تلے" میں ایک روایت پرست کاشتکار گھرانا کا ذکر ہے جس کے مرد اپنی بیٹیوں کو گھر سے باہر نکل کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ "اب زمانہ ہماری عزت، ہماری بیٹی کو دیکھے گا اور بیٹی زمانے کو"[۸] لیکن اس گھرانا کے بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والے تایا ابا ساتھ والے گاؤں کی نوجوان لڑکی سے دوسری شادی رچا لیتے ہیں۔

افسانہ "آسیب" کی کردار کو یاد آتا ہے کہ اس کی دادی اماں کہا کرتی تھیں کہ گھر کی منڈیر پر بیٹھے کالے کووں کو اڑا دو یہ منحوس ہوتے ہیں۔[۹]

"عورت کتھا" (تین ناولٹ) میں مقامی ثقافت کے رنگوں سے سجی تلایاں، حقے، چنگیر، چھنا، گڑوی، کنی، پونا، کھانے، لباس، پھوپھی کی مقامی بولی میں لوری، مقامی بولی میں اشعار، الفاظ، جملے اور

مکالمے ہیں۔ مزار ہیں جن کی چوکھٹ سے منت کے دھاگے اور کپڑوں کی دھجیاں لٹک رہی ہیں۔ آدھی رات کو گھروں کی چھتوں پر ناچتی چڑیل اور برگد کا آسیب مقامی لوگوں کی ضعیف الاعتقادی کے آئینہ دار ہیں۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب مزاجا" گادری تھی۔ اس لیے اس کے عوام کے اعتقادات جادو کی رسوم پر بھی مشتمل تھے۔ ان کی ساری زندگی پر گنڈا، تعویز، ٹونے، ٹوٹکے، جنتر منتر چھائے ہوئے تھے۔ ضعیف الاعتقادی، توہم پرستی، مابعد الطبیعاتی تصورات اور ارواح اس تہذیب و ثقافت کے جزو لاینفک تھے۔

زمین دارانہ اور جاگیر دارانہ ثقافت کے نمائندہ کے طور پر " شاہ جی" جیسے بڑے زمیندار ہیں جو بازارِ حسن کی عورتوں کے علاوہ اپنے مزارعوں کے گھر کی عورتوں کو اپنی حویلی میں اپنی رکھیل بنا کر رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ باپ، بھائیوں، شوہروں اور بیٹوں کی بدفعلیوں اور قتل و قتال جیسے جرموں کے تاوان کے طور پر عورتیں بھی پنچائت میں شاہ جی کی نذر کر دی جاتی ہیں. جو ان رکھی ہوئی عورتوں کی "امانت میں خیانت" کی جھوٹی کہانی سن کر بھی انھیں مارمار کر ادھ موا کرتے ہیں اور پھر اپنی ہی حویلی میں انھیں زندہ دفنا دیتے ہیں۔ ایک ایسی مکروہ ثقافت جہاں صدقہ خیرات گندے اور مکروہ کاموں کو شروع کرنے سے پہلے کیا جاتا ہے:

> ”یہ دیہی ثقافت پر مبنی ایسی روایات ہیں جس کا اصول ہے کہ "دشمن بھی گھر آئے تو اسے عزت دی جاتی ہے۔ اور "بیٹیاں سانجھی ہوتی ہیں"۔“[۱۰]

> ”لیکن عورت کے ساتھ زیادتی میں وہ بے قصور ثابت بھی ہو جائے تو اہلِ محلّہ اس سے دل میں ہمدردی رکھتے ہوئے بھی اس کے گھرانے سے مکمل بائیکاٹ نہ بھی کریں پھر صورتحال کچھ یوں ہوتی ہے۔ "دور دور کی صاحب سلامت، نہ سماجی ناکہ بندی اور نہ باہم شیر و شکر۔“[۱۱]

ناول "لون دا جیون گھر" میں ملتان کی ثقافی اور تہذیبی زندگی کا احوال تمثیلی انداز اور علامتی پیرائے میں کچھ اس طرح سے ملتا ہے:

> ”کسی سوداگر کے غصہ میں کافی کا کپ نہیں توڑا جا سکتا۔ حملہ آوروں کی قبروں پر رکھنے کے لیے دکانوں پر ہمیشہ پھول ہوتے ہیں کیوں کہ وہ ہمارے شہر میں سو رہے ہیں۔“[۱۲]

تہذیب و ثقافت کے مذید رنگا رنگ اور دلچسپ پہلو ملاحظہ فرمائیں:

"ملتان میں ہمیشہ نئے لوگ آتے۔ اور وہ اپنے گھر اور گھر کے باہر شہر کو نیلا رنگ کرتے۔ اپنی چھتوں پر پرندوں کے لیے پانی کی ڈولیاں رکھتے تھے۔ وہ ملتان کی نئی اور پرانی حکایتوں کو مانتے تھے۔ آم اور سورج دونوں ایک ہی ہیں۔ یہ آم وہ درخت ہے جس کے اندر ایک دفعہ حاکم کے سپاہیوں سے ڈر کے سورج چھپ گیا تھا۔ سورج نے اس درخت میں رات گزاری۔ اور صبح اپنے کاموں میں لگ گیا تھا۔ اس دن سے آج تک اس درخت پہ چھوٹے چھوٹے سورج لگتے تھے جو آم تھے۔"[۱۳]

خاکہ نگاری کی صنف میں بھی ملتان کی مقامی تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلو اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ خاکوں پر مبنی کتاب "یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ" کے پہلے خاکے بعنوان "حضرت جی —— بنام حسین بخش" میں باپ کی وفات پر بیٹے کے سر پر پگڑی باندھنا اور برادری کے اجتماع میں عدت میں بیٹھی بیوہ کی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنا کہ وہ سرپرست کے طور پر اپنے دیور کو قبول کرتی ہے یا اپنے والد اور بھائی کو:۔

"ضعیف الاعتقاد معاشرتی ثقافت کی پروردہ پھوپھی دن رات اس لیے رونا شروع کر دیتی ہے کہ ان کی حویلی کی ممٹی پر چیل نے بیٹھنا شروع کر دیا اور اب نحوست، بیماری، لڑائی اور موت کو گھر میں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"[۱۴]

"ان کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کالج میں پڑھانے والی شاگردہ جو بقول ان کے ساری عمر توہم پرستی کے خلاف لڑی مگر اپنی کسی شاگردہ کا رشتہ دوسری یا تیسری بار ٹوٹنے کو اس کی حاسد ہمسائی کے کالے جادو کا شاخسانہ قرار دے کر اس کا توڑ کرنے کے لیے پلے سے پیسے خرچ کرنے کو تیار ہو جاتی تھی۔"[۱۵]

اسی طرح دوسرے خاکہ "بیگم بی بی بقلم خود" کا آغاز ہی ایک براہوی لوک کہانی کے تذکرہ سے ہوتا ہے جو الحمرا کی شہزادی اور ملتانی لکڑہارے کے گرد گھومتی ہے۔۔ والد کی وفات کے بعد والدہ کا جمعرات کا ختم دلانے کا تذکرہ ہے۔ ایک خاکہ کا عنوان "مہر گل محمد۔ ملتان کا دمدمہ "اپنے اندر تہذیبی و ثقافتی حوالہ سے گہری معنی خیزیت کا حامل اور ایک مکمل داستان ہے۔ ایک خاکہ کا عنوان "کریم "ملک۔ مستاجری پر دیا ہوا ایک کھیت" ملتان کی زرعی تہذیب و ثقافت کا استعارہ ہے۔

مختلف الاقامت اور مختلف النوع تہذیبوں اور ثقافتوں کے تال میل، رچاؤ اور اثرات کا بھرپور اور توانا اظہار ملتان کے شعراء کرام کے ہاں ملتا ہے۔ "سورج" ڈاکٹر اسلم انصاری کی شاعری کا جاندار استعارہ ہے۔ صحرا، ریت اور گرد کے استعارے اور تشبیہات جابجا آئے ہیں۔ آسیب اور فسوں کی تمثیلیں ہیں۔ اس کے علاوہ شکستہ مقبروں کے پریشان تذکرے بھی ہیں۔ مکانوں کی چھتوں پر پھونس کے فرغل بھی ہمیں نظر آتے ہیں۔ اس طرح ان کے شعری مجموعہ "خواب و آگہی" میں نظم کا عنوان "مرے عزیزو تمام دکھ ہے (گوتم کا آخری وعظ)" اپنی گہری معنویت کے ساتھ مذہبی و تہذیبی ثقافت کا پر اثر عکس چھوڑتا ہے۔ ان کی شاعری میں ملتان کی دیہی تہذیب میں کپاس چننے والی عورتوں کا ذکر ان کے سماجی مقام و حیثیت کی کمتری کے ساتھ کچھ یوں ملتا ہے:۔

تو کیوں کپاس کے یہ پھول چننے آئی ہیں
کسے خبر کہ مقدر کی دھول چننے آئی ہیں[۱۶]

اسی طرح نظم "سلامِ شوق" سے ایک بند کا یہ حصہ ملاحظہ فرمائیں:

درختوں کی ناکارہ شاخوں، زمین پر گرے، سوکھے پتوں کو
چنتی ہوئی محنتی لڑکیو
سر پر گھاس اور بھوسے کی گٹھیں اٹھائے ہوئے[۱۷]

ڈاکٹر اسلم انصاری کے شعری مجموعہ "خواب و آگہی" پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر افتخار شفیع رقم طراز ہیں:

> "خواب و آگہی اونچے اونچے بالا خانوں پر مشتمل ایک ایسا شہر ہے جس کے ارد گرد کی فصیل بھی دفاعی لحاظ سے بہت مضبوط ہے۔ اس 'شہر غزل و نظم' میں داخل ہونے کے کئی راستے ہیں لیکن وہاں سے پلٹنا شاید ناممکن ہے۔ یہ لفظوں کا ایک ایسا طلسم ہوش ربا ہے جس میں 'صدیوں کا سفر' کرنے کے بعد بھی قاری وہیں آکے رکتا ہے جہاں سے اس نے سفر کیا تھا۔"[۱۸]

ڈاکٹر عرش صدیقی کی شاعری میں بھی سورج، صحرا، پیاس، پیر فقیر، آسیب، جادوگر، بھتنا، کھنڈر بنے مندر، پرانے مقبرے، بجھے ہوئے دیئے، شجر وغیرہ کی علامتیں اور استعارے اپنی گہری معنویت کے ساتھ نمایاں ہیں۔ ملتان کی ہند مسلم تہذیب و ثقافت کے نمائندہ مقامی الفاظ ہیں، گیت ہیں، دوہے ہیں

جو ہند مسلم تہذیب اور تصوف کے رنگوں کی آمیزش سے سجے ہوئے ہیں۔

دوہا" لے خلقت کی دعائیں "ملاحظہ فرمائیں:

دوہے گیت کہہ کہہ کر عالی، من کی آگ بجھائے   من کی آگ بجھے نہ کسی سے، اسے یہ کون بتائے
من کی آگ بجھے جب بیٹھے شاہ فقیر کے ساتھ   پیار سے لے کر ہاتھ میں چومے، اس کے میلے ہاتھ
من کی آگ بجھے جب حاصل خلقت کی ہوں دعائیں   عادل اور فقیر بھی جب اک دوجے کے ہو جائیں[۱۹]

ملتانی ثقافت میں کسی مراد کو پانے کے لیے منت کے طور پر مزاروں پر دیا اور چراغ جلایا جاتا ہے۔ کلیات "خاک زار" سے کچھ اشعار:

روز چراغ جلانے کا مطلب شہزاد   کوئی یاد دہانی بھی ہو سکتا ہے[۲۰]
اک دیے سے روشن ہو جاتی ہے دنیا   اک سورج محراب میں رکھا جاتا ہے[۲۱]

دیہاتوں میں چوپال کا رواج اپنی اہمیت کے ساتھ ہمیشہ سے قائم ہیں

جے گی چوپال اور میں شہزاد
جو اصل ہے وہ کہانی نہیں سناؤں گا[۲۲]

اپنے شعری مجموعہ "خامشی" کی پہلی نظم بعنوان "انتساب" میں انھوں نے پیر کبیر کی دھرتی، پیر کبیر کے میلہ، پیر کبیر کے قبرستان سے اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔[۲۳]

ہمیں ملتان کی تاریخ میں اردو کے علاوہ عربی، ہندی، فارسی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے ادب میں جہاں اس دور کی ثقافت کا ذکر ملتا ہے وہاں پر ہمیں اس علاقہ میں بولی جانے والی زبانوں کی قدامت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملتان کی ثقافت، تہذیب اور تمدن اتنے بھرپور ہیں کہ ہر دور میں آنے والے سیاحوں، محققین، اولیائے کرام اور یہاں سے گزرنے والوں نے اس کے اثرات خود پر محسوس کیے۔ مختصراً یہ کہ ملتان کے شعر و ادب میں تہذیب و ثقافت کی عکاسی اپنے دامن میں اساطیر، مذہب، عقائد، توہمات، روایات، تاریخ، فلسفہ، سیاست اور رسم و رواج کے کتنے ہی تمدنی و تہذیبی مناظر و مظاہر آباد کیے ہوئے ہے۔ اس ادب میں ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی پس منظر کی واضح جھلک موجود ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر مبارک علی، تاریخ کی خوشبو (لاہور: تاریخ پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء)، ۲۳۔

۲۔ ڈاکٹر محمد آصف، اسلامی اور مغربی تہذیب کی کشمکش فکر اقبال کے تناظر میں (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۹ء)، ۲۹۔

۳۔ فرخ درانی، ''شہر کا سماجی اور ثقافتی ارتقاء''، مشمولہ: ملتان—دائم آباد(تاریخ ، ادب ، ثقافت اور تصوف)، مرتبہ: خلیل احمد (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۴ء)، ۸۳۷۔

4. https://adbimiras.com/saqafat-aur-uske-tashkeeli-anaseer-nisar-ali-bhatti/

۵۔ شاکر حسین شاکر، ملتان ، تاریخ ، تہذیب ، تمدن (ملتان: کتاب نگر، جون ۲۰۲۰ء)، ۱۷۔

۶۔ اصغر ندیم، ٹوٹی طناب اُدھر (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء۔

7. Nasir Abbas Nayyar, "Diary of a city (Asghar Nadeem Syed)", in: *The News* Lahore, 12 January 2020.

۸۔ سیدہ شہناز نقوی، نیل گگن تلے (لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۲۰ء)، ۱۷۔

۹۔ ایضاً، ۱۲۷۔

۱۰۔ سجاد جہانیہ، عورت کتھا ، تین ناولٹ (ملتان: کتاب نگر، اکتوبر ۲۰۱۴ء)، ۱۴۳۔

۱۱۔ ایضاً، ۱۳۹۔

۱۲۔ نورین فاطمہ، لون دا جیون گھر کا ترجمہ/حواشی و فرہنگ (مقالہ برائے ایم۔ ایس اردو) (بہاول پور: گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، ۲۰۱۹۔۲۰۲۱)، ۱۷۷۔

۱۴۔ انوار احمد، یادگارِ زمانہ ہیں جو لوگ (فیصل آباد: مثال پبلی شرز، ۲۰۱۵ء)، ۱۵۔

۱۵۔ ایضاً، ۲۳۴۔

۱۶۔ اسلم انصاری، خواب و آگہی (ملتان: کاروانِ ادب، ۱۹۸۲ء)، ۱۴۸۔

۱۷۔ ایضاً، ۱۰۶۔

۱۸۔ محمد افتخار شفیع، ڈاکٹر اسلم انصاری شخصیت اور فن (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۱۰ء)، ۲۲۔

۱۹۔ عرش صدیقی، کلیاتِ عرش صدیقی، مرتبہ: محمد حنیف (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۲ء)، ۲۰۰۔

۲۰۔ قمر رضا شہزاد، خاک زار (لاہور: کتاب دوست، ۲۰۲۱ء)، ۱۱۱۔

۲۱۔ ایضاً، ۱۲۹۔

۲۲۔ ایضاً، ۱۳۳۔

۲۳۔ ایضاً، ۲۶۹۔